پاکستان میں نسائی ادب کا اہم حوالہ۔ ہاجرہ مسرور

HajraMasroor : An Icon of Feminist Literature in Pakistan

عشرت حسین، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

Ishrat Hussain, Ph.D scholar, Dept. of Urdu, BZU, Multan

پروفیسر ڈاکٹر ممتاز خان کلیانی، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

Dr. Mumtaz khan kalyani, Professor, Dept. of Urdu, BZU, Multan

Abstract

Urdu literature is becoming riches by women writings. This paper seeks to offer a reading of Hajra Masroor short stories in feminist perspective. In Masroor's formative years, IsmatChughtai, Dr. Rashid Jahan and Qurrat-ul-AinHaider had established herself an independent a feminist voice. HajraMasroor wrote extensively on themes including female sexuality and femininity, middle class gentility political and economic rights for women. With a style characterized by literary realism, She established herself as a significant voice in the Urdu literature. In October 1947, HajraMasroor's familty migrated to Pakistan, Masroor and Ahmed Nadeem Qasmi co-edited the prominent Urdu literary magazine Naqoosh. In Pakistan she wrote on the condition and role of women in this country. She was very passionate about bringing social change in society, she zealously wrote about social equality of women in Pakistan. Indeed, she had shown her appearance in the Urdu literature and fiction with bold imagination. She works short stories in non-traditional way. The methodology focused on the textual analysis to reveal the feminist concept of her. She spoke of sexuality, abortion lesbianism and desires of women.

Keywords: Feminism, Hajra Masroor, Progressive movement,

Partition, India, Pakistan

کلیدی الفاظ: تانیثیت، حاجرہ مسرور، ترقی پسند تحریک، تقسیم ہند، پاکستان

انیسویں صدی کے اواخر میں برصغیر کے خواتین نے تعلیمی اور تخلیقی لحاظ سے سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ "زاہدہ خاتون شیروانیہ" پہلی شاعرہ ہیں جنھوں نے توانا فکر و شعور کے ساتھ اپنی شناخت کو پوشیدہ رکھا کیونکہ برصغیر میں پردہ کی گرفت خواتین پر شدید رہی ہے۔ شان الحق حقی اردو کی اس پہلی شاعرہ کے بارے میں کہتے ہیں۔

> "ویسے زاہدہ ایک مسلمان مجاہدہ ہیں حُبِ قومی اور جذبہ حریت سے سرشار، اصلاح معاشرت، خصوصاً آزادی نسواں کی طلبگار۔ انہوں نے مردوں اور عورتوں کو بڑی دلسوزی سے انقلاب پر ابھارا ہے۔ خاص طور پر عورتوں کو اپنے حقوق طلب کرنے اور سیاسی شعور بیدار پیدا کرنے کی بڑی پُرجوش تلقین کی۔"(۱)

برصغیر میں نسائی ادب کو فروغ دینے میں محمدی بیگم کے رسالہ "تہذیب نسواں" اور شیخ محمد عبداللہ اور ان کی بیگم کے رسالہ "خاتون" نے اہم کردار ادا کیا۔ ان رسائل میں اردو ادب کی ابتدائی دور کی تخلیق کار خواتین کے نسائی اظہار کا پتہ چلتا ہے۔ رسالہ "عصمت" کے آغاز کے بعد اردو ادب میں خواتین اہل قلم نظر آتی ہیں جن کے ہاں عورت کے ساتھ ناانصافیوں پر شدید احتجاج پایا جاتا ہے:۔

> "مرد جانتا ہے کہ عورت پابندیوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اُسے رُو رُو کر مر جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اگر اسے خوف ہوتا کہ عورت بھی اس کی اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں تو اینٹ سے بھی نہیں، محض تھپڑ سے دے سکتی تو اُسے کبھی اس بدمزاجی کی جرأت نہ ہوتی۔"(۲)

برصغیر میں پدرسری سماج کی ظالمانہ بالادستی اور نسائی حقوق کی پامالی پر قلم اٹھایا گیا۔ اس زمانے میں ڈپٹی نذیر احمد کی "مراۃ العروس" اور "بنات النعش" کے علاوہ مولوی کریم الدین کی "تذکرہ النساء"، محمد ظہیر الدین خاں کی "تعلیمِ نسواں" ایسی کتابیں تھیں جنہیں نقد انعامات ملے۔ "رشیدۃ النساء" پہلی ناول نگار خاتون کا اعزاز رکھتی ہیں جنھوں نے "اصلاحِ النساء" ناول تخلیق کر کے خواتین کے حقوق کے لیے آواز اٹھائی ہیں۔ نامور دانشور زاہدہ حنا اس ناول کے بارے میں لکھتی ہیں:۔

"پدر سری سماج کے سامنے رشیدۃ النساء کی سرفگندی کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ وہ جو "اصلاح النساء" میں پڑھی لکھی اور سلیقہ شعار لڑکیوں کی شادیاں، پڑھے لکھے لڑکوں سے کراتی ہیں جب اپنی بیٹی بیاہتی ہیں تو پدر سری سماج کے نمائندوں، یعنی اپنے شوہر، بھائیوں اور بیٹوں کے سامنے سر جھکا دیتی ہیں۔"(۳)

برصغیر میں ایک عورت کا پدر سری نظام سے بغاوت کرنا آسان نہیں تھا۔ اس کے باوجود نذر سجاد حیدر، حجاب امتیاز علی جیسی باشعور خواتین نے مسائل نسواں کو اپنی تخلیقات میں پیش کیا۔ یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ برطانوی حکومت نے برصغیر میں خواتین کی سماجی حیثیت کو بہتر بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہندوستان کی بہت سی ریاستوں میں مشنری سکول کھولے گئے۔

برصغیر میں تعلیم نسواں کی حمایت کرنے والے راجہ رام موہن رائے (برہمو سماج) اور سوامی دیانند (آریہ سماج)) قابل ذکر ہیں۔ اس حوالے سے بورتھوک یوں برہمو سماج کی خدمات کو سراہتے ہیں:۔

"برہمو سماج کے ارکان نے تعلیم نسواں کے لیے ایک تحریک چلائی اور مخالف جنس کے درمیان برابری پر زور دیا۔۔۔۔ ۱۸۶۵ء میں برہمو سماج کے تعاون سے پہلی بار ایک انجمن کا قیام عمل میں آیا جہاں عورتوں کی مذہبی تعلیم، سلائی اور دوسرے موضوعات پر بحث و مباحثہ ہوتا ہے۔"(۴)

برصغیر کی خواتین کی سماجی و معاشرتی زندگی میں برطانوی حکومت نے بڑی تبدیلیاں کیں۔ انہوں نے خواتین کی تعلیم میں گہری دلچسپی لی۔ اصلاحی تحریکوں پر سالانہ انعامات دیئے جس کے نتیجے میں خواتین کے لیے بہت سی کتب شائع کی گئی تاکہ ہندوستان کی عورت جہالت اور پسماندگی کی دلدل سے نکل سکے۔ زاہدہ حنا ہندوستان میں تعلیم نسواں کے حوالے سے مسلمانوں کے رہنما سر سید احمد خاں کے کردار کے حوالے سے کہتی ہیں۔ مسلمان مردوں کے لیے جدید تعلیم کو اہم قرار دینے والے اس عظیم مصلح نے خواتین کے لیے صرف گھریلو اور قرآن کی تعلیم ہی اہم سمجھی:۔

"سر سید مسلمانوں میں جدید تعلیم کے بانی ہیں۔ انہوں نے ۱۸۷۵ء میں مسلمان لڑکوں کے لیے ایک اسکول قائم کیا۔ اسے دو برس بعد کالج میں

تبدیل کیا اور آج وہ ادارہ علی گڑھ یونیورسٹی بن چکا ہے۔ تعلیم کے میدان میں اتنے بڑے کام کے باوجود مسلمان لڑکیوں کی جدید تعلیم کے حامیوں سے انہیں آخر عمر تک اختلاف رہا۔"(۵)

نو آبادیاتی نظام کے استحصال کی بات کرتے ہوئے ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ یہ انگریز خواتین ہی تھیں جنھوں نے ہندوستان میں خواتین کی تعلیم کو فروغ دیا۔ اسکول کھولے اور خواتین کی بہبود و ترقی کے لیے مختلف تنظیموں میں کام کیا۔ انیسویں صدی کے آخر تک ہندوستان میں خواتین کے اسکولوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والی خواتین کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ ہندوستان کی تعلیم یافتہ خواتین نے اپنی جدوجہد سے تحریک نسواں چلائی:۔

"مہارانی تپسونی اداڈی "گھروں میں عورتوں کو تعلیم دیتیں تاکہ آنے والے زمانے میں وہ اچھی اور بہتر بیویاں اور مائیں بن سکیں۔ ۱۹۰۹ء میں رقیہ سخاوت حسین (۱۸۸۰ء۔ ۱۹۳۲ء) نے مسلم لڑکیوں کے لیے بھاگلپور میں ایک اسکول کھولا۔ بہار سے کلکتہ جانے کے بعد انہوں نے ۱۹۱۱ء میں کلکتہ میں ایک اسکول "سخاوت میموریل گرلز اسکول" قائم کیا۔ اس سکول میں ذریعہ تعلیم اردو تھی اور یہ اسکول خصوصی طور پر پردہ نشین لڑکیوں کے لیے تھا۔"(۶)

برصغیر کی ظلم سہتی عورت کے حق میں آواز اٹھانے والی "رشندری دیوی"، رشید النسا اور رقیہ سخاوت حسین کے ناموں کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی جنھوں نے ہمت، محنت اور ثابت قدمی سے اپنے بعد آنے والی خواتین کے لیے راہیں ہموار کیں۔ اردو کی خواتین تخلیق کار عباسی بیگم، نذر سجاد حیدر، آصف جہاں، انجمن آراء کے بعد حجاب امتیاز علی نے خواتین کی ذہنی و جذباتی کیفیات و احساسات کو پیش کیا۔ ڈاکٹر رشید جہاں ادبی رسالہ "انگارے" سے متعارف ہوئیں۔ انہوں نے برصغیر کی عورت کے ان مسائل پر جرات مندانہ اظہار کیا جن پر لکھنا ممنوع تھا۔ آپ کا شمار ترقی پسند تحریک کے بنیاد گزاروں میں ہوتا ہے:۔

"رشید جہاں نے قہر و جبر کے خلاف اردو افسانہ نگاری کا سہارا لیا اور بڑے خوبصورت انداز سے افسانے تخلیق کیے جن میں اپنے عہد کی بے چینی،

کرب اور اضطراب کی ترجمانی کی ہے۔۔۔ رشید جہاں اپنے افسانوں میں جابجا عورت کے مسائل کو صنفی نظر سے ہی نہیں بلکہ بطور انسان، ان کی شخصیت کا ادراک اور اظہار بھی شامل ہے۔"(۷)

ڈاکٹر رشید جہاں نے عورت کے استحصال کرنے والے نظام کو بے نقاب کیا چاہے وہ مذہب کی آڑ میں پوشیدہ ہو یا معاشرتی منافعت کی تہہ میں موجود ہو۔ دلی کی سیر، آصف جہاں کی بہو، سودا، استخارہ، پردے کے پیچھے، افسانوں میں ڈاکٹر رشید جہاں نے طبقہ نسواں کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ وہ سماجی حقیقت نگاری کے حوالے سے کہانی تخلیق کرنے والی پہلی خاتون ہے۔

شاہد نقوی اس حوالے سے کہتے ہیں:۔

"رشید جہاں کی قدر آج ہم اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اردو کی پہلی افسانہ نگار خاتون تھیں جنھوں نے دلیرانہ طریقے سے سماج کے ان پہلوؤں کو عریاں کیا جن کو ڈھکا چھپا کر دکھایا جاتا تھا۔ وہ پہلی قلم کار تھیں جنھوں نے ایک باغی دل و دماغ رکھنے والی عورت کی تصویر پیش کی جس کو زندگی چاہے شکست ہی دے دے مگر روح اور ہمت آخر دم تک شکست قبول کرنے کو تیار نہ ہو۔"(۸)

اردو زبان و ادب میں سائنسی ذہن اور انقلابی سوچ رکھنے والی اس تخلیق کار نے اپنے اظہارِ ذات کو جرات مندانہ طریقے سے پیش کیا بلکہ "عصمت چغتائی، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور اور واجدہ تبسم کی گونجتی زوردار کہانیاں رشید جہاں کی معتدل بے باکی اور سنبھلی ہوئی جرأت اظہار کے بطن سے پھوٹی ہیں۔(۹)

عصمت چغتائی کا نام اردو ادب میں نسائی اظہار و شعور کے حوالے سے خاص اہمیت یوں بھی رکھتا ہے کہ انہوں نے تلخ موضوعات پر قلم اٹھایا۔ خواتین کے مسائل کو پوری معنویت کے ساتھ بیان کیا۔ خواتین کی زبان پر دسترس رکھتے ہوئے ان کے مسائل کیفیات و احساسات کو انہی کی زبان میں پیش کرنے کا ہنر آزمایا۔

اطہر پرویز اس حوالے سے کہتے ہیں:۔

"عصمت چغتائی متوسط طبقے کی عورتوں کی افسانہ نگار ہیں اور یہ خیال غلط بھی نہیں کہ اس طبقے کو ابھی تک عصمت سے بہتر ترجمان نہیں مل سکا۔ ان کے

باغیانہ ذہن نے اس طبقے کی گھٹن کا اظہار کرتے ہوئے اسے دو آتشہ کر دیا۔
عصمت نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے اپنے مشاہدے کا حصہ ہے۔"(۱۰)

"ٹیڑھی لکیر"، "لحاف"، "چوتھی کا جوڑا"، "ننھی کی نانی"، "دو ہاتھ" اور "زہر کا پیالہ" ایسی کہانیاں ہیں جن میں عورت کی جنس اور نفسیات کے ساتھ ساتھ مقامی صورتحال کی بھی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ عصمت چغتائی کی کہانیاں اس بات کی آئینہ دار ہیں کہ انہوں نے عورت کے انسانی وقار کو پہچانا۔ معاشرے کی فرسودہ روایات نے عورت کی حیثیت کو جس طرح مسخ کیا عصمت چغتائی اس پر شدید احتجاج کرتی ہیں۔ تنویر انجم کہتی ہیں:۔

عصمت کا مقصد عورت کے لیے اس جنسیت کی تلاش ہے جس میں اس کی انسانی حیثیت کا اثبات ہوتا ہو اور جنسی شناخت پر عورت کے لیے اس کی انسانی شناخت کا ایک بہت اہم جزو ہے۔ عصمت نے اپنے افسانوں کے ذریعے یہ بھی دکھایا ہے کہ معاشرہ کبھی غیر جنسی نہیں ہوتا اور جہاں کہیں اس منافقت کو روا رکھا جاتا ہے اور اس طرح عورت کی جنسی ضرورت اور جنسی شناخت کو مسخ کیا جاتا ہے وہاں عورت اپنی پوشیدہ قوت سے اپنی جنس کے اثبات کے لیے راہیں ڈھونڈ نکالتی ہے۔"(۱۱)

عصمت چغتائی کے ہاں عورت تمام تر باطنی وجسمانی سچائیوں کے ساتھ موجود ہے۔ نسائی ادب میں خاص اہمیت کی یہ تخلیق کار "موجودہ سماج پر بھی طنز کرتی ہے جس میں ایک گائے کو عورت سے زیادہ عزت اور وقار حاصل ہے۔"(۱۲)

قرۃ العین حیدر اپنے منفرد نسائی اظہار کے ساتھ اردو ادب میں الگ شناخت لیے نظر آتی ہیں۔ انھوں نے عورت کا استحصال کرنے والے اقتصادی و سماجی نظام کو اپنی کہانیوں میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے جرات سے نسائی شعور کا ادراک کیا۔

ڈاکٹر فاطمہ حسن کہتی ہیں:۔

"قرۃ العین حیدر کا ناول "آگ کا دریا" ایسا ناول ہے جو پوسٹ ماڈرن فیمنسٹ نقادوں کے مطابق جن میں ژولیا کرسٹیوا سرفہرست ہیں۔ عورت کے تصور وقت کی مثال پیش کرتا ہے۔ قرۃ العین حیدر کے ناولوں اور

افسانوں میں نسائی شعور کا مکمل ادراک و اظہار ملتا ہے اور کہیں کہیں سب نمایاں ہو جاتا ہے۔ ''اگلے جنم موہے بٹیانہ کی جیو'' اس کی مثال ہے۔''(۱۳)

قرۃ العین حیدر کے نسوانی کردار اپنی ذہنی تبدیلیوں کے ساتھ زندگی کے خواب بنتے ہیں۔ تضادات کا شکار ہوتے ہیں، خوابوں کی لاج رکھتے ہوئے تنہائی کے ساتھ جیتے ہیں:۔

''انھوں نے اگر ''چمپا'' یا ''دیوالی'' کو مرد کرداروں کے مقابلے میں زیادہ باکردار پیش کیا ہے تو وہیں وہ ادمارائے اور روزی بنرجی یا اپنے دوسرے ناولوں اور کہانیوں میں دوہرے معیار کے حامل ایسے متعدد نسوانی کردار تخلیق کرتی ہیں جن کا سماجی رویہ ناقابل معافی ہوتا ہے۔''(۱۴)

قرۃ العین حیدر کے ہاں لوئر مڈل کلاس اور مڈل کلاس عورت کی پیش کش قرۃ العین حیدر کی خاص عطا ہے۔ ان کا افسانہ ''کارمن'' مڈل اور بورژوا نسائی کرداروں کا کامیاب ترین عکاس ہے۔(۱۵)

قرۃ العین حیدر کی کہانیوں میں محسوسات کی دنیا موجود ہے۔ سیاسی سماجی شعور کے ساتھ نسائی اظہار اپنی خاص انفرادیت کے ساتھ موجود ہے۔ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے:۔

''ہمارا عہد دو تہذیبوں، دو نظام ہائے اقدار و دو دنیاؤں کے درمیان عبوری پل ہے۔ قرۃ العین حیدر نے اس پل کی تصویر کشی کی ہے جس پر فریب خوردہ امید گزیدہ روحوں کے مجروح وفگار قافلے گزر رہے ہیں۔''(۱۶)

ہندوستان میں ترقی پسند تحریک کی بدولت خواتین تخلیق کاروں کو سازگار ماحول فراہم ہوا۔ ادب اجتماعی زندگی کا ترجمان قرار دیا گیا۔ اس کا تعلق اجتماعی ذہنیت اور معاشرتی میلانات سے جوڑا گیا۔ عوام کے جذبات اور احساسات کو پیش کیا گیا۔ عورت اور جنس کے موضوعات پر لکھا گیا۔ اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کے اہم کردار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علی سردار جعفری لکھتے ہیں:۔

''شاعر اور ادیب کیا پنی اپنی توفیق پر منحصر ہے کہ وہ کس طرح تخلیق کرتا ہے۔ اس کا رشتہ عوام کے ساتھ مضبوط ہونا چاہیے اور عوام صرف درمیانی طبقہ نہیں بلکہ مزدور اور کسان طبقات بھی جو اکثریت میں ہیں۔''(۱۷)

ترقی پسند تحریک کے ساتھ اردو میں خواتین تخلیق کاروں کی تخلیقات میں انسان دوستی، ترقی پسند سوچ کا اظہار ملتا ہے۔ اس حوالے سے باشعور تخلیق کار سامنے آتی ہیں جو نسائی ادب کا بہترین حوالہ بنیں جنھوں نے معاشرے کی ڈری سہمی، توہمات اور فرسودہ روایات میں جکڑی ہوئی عورت کے دکھوں کو زبان اور اظہار کی صورت عطا کی۔ عورت کو بطور انسان شناخت دی۔ عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، خالدہ حسین، واجدہ تبسم، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، رضیہ فصیح احمد، صالحہ عابد حسین، الطاف فاطمہ، رضیہ سجاد ظہیر، جمیلہ ہاشمی اور صغریٰ مہدی ایسی خواتین تخلیق کار ہیں جنھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

نسائی ادب میں ہاجرہ مسرور کی منفرد شناخت ہے۔ عموماً ناقدین ادب نے ہاجرہ مسرور اور خدیجہ مستور سے ایک جیسی خصوصیات، نظریات اور مقاصد وابستہ رکھے لیکن دونوں بہنوں کے اندازِ تحریر میں فرق نمایاں ہے۔

ہاجرہ مسرور پاکستان میں حقوقِ نسواں کی علمبردار تھیں۔ تقسیم ہند سے پہلے ان کے دو افسانوی مجموعے "چرکے" اور "ہائے اللہ" شائع ہو چکے تھے۔ ان کی کہانیوں کے موضوعات خواتین کے استحصال، معاشرتی ناہمواریوں، سماج اور سیاست کے منافقانہ رویوں کے گرد گھومتے ہیں۔ ابتدائی مجموعوں کی کہانیوں میں تند و تیز لہجہ، کڑواہٹ، تلخی، زمینی حقائق کو نسائی شعور کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے کشور ناہید کہتی ہیں:۔

> "آپ اور قاسمی صاحب نے مل کر "نقوش" نکالنا شروع کیا۔ بہت جلد یہ رسالہ ادیبوں کی رہنمائی کرنے لگا۔ ہر ادیب چاہتا تھا کہ وہ "نقوش" میں چھپے۔ سال بھر "نقوش" چلا پھر سرکار نے سنسر شپ کے ترازو میں تولنا شروع کیا کہ اسی زمانے میں ایک تو منٹو کی کہانیوں پر مقدمہ بازیاں چل رہی تھیں اور دوسری طرف ترقی پسند ادیب انڈر گراؤنڈ چھپ رہے تھے۔ یہیں ہاجرہ آپا! آپ کی کہانیوں میں کڑواہٹ آنا شروع ہوئی۔"(۱۸)

ہاجرہ مسرور کے ہاں عورت حاضر جواب اپنے حقوق کی جنگ کرتی نظر آتی ہے۔ آغاز میں انھوں نے نوجوان لڑکیوں کی ذہنی و جذباتی اور نفسیاتی احساسات کی خوبصورت عکاسی کی۔ ان کے جذبات کو زبان دی۔ ملمع، موہنی، سہارا، معصوم محبت ان کی ابتدائی کہانیاں نو عمر لڑکیوں کے

جذبات و احساسات کا اظہار ہے۔ "بندر کا گھاؤ"، وہ شاہکار افسانہ ہے جس میں انہوں نے پدرسری سماج میں دوہرے معیارات کو بے نقاب کیا جہاں مرد کے لیے اصول وضوابط اور ہیں لیکن عورت کے لیے عزت، غیرت وابستہ کرکے اس کے ساتھ ناانصافی کی جاتی ہے۔ ہاجرہ مسرور نے اس کہانی میں ایک بے بس، مجبور عورت کی جنسی ونفسیاتی پیاس کو سلیقہ سے پیش کیا ہے۔ لیکن ظلم وزیادتی کا شکار لاچار بیمار عورت کی نظر اللہ کے بنائے ہوئے آسمان پر پڑتی ہیں جہاں سے ہر مجبور کو توقع ہوتی ہے کہ یہیں انصاف ملے گا۔

> " تھک کر اسے خیال آیا کہ اللہ میاں۔۔۔۔ اپنی دنیا کو آسمان سے ڈھک کر بالکل اسی طرح مطمئن ہوگئے تھے لیکن جب ایک گرم دوپہر گزرنے کے بعد اسے دال کا خیال آیا تو دیکھا تو دال سڑ کر جا رہی تھی۔"(۱۹)

اسی طرح "ہائے اللہ" کی ننھی کو دادی کی بلاوجہ کی روک ٹوک اسے وقت سے پہلے سنجیدہ بنا دیتی ہے۔ یہاں "دادی" کے کردار میں ہم برصغیر کی اُن بزرگ خواتین کی جھلک دیکھ سکتے ہیں جن کا کام گھر کی لڑکیوں کی عزت کی رکھوالی کرنا ہے۔ ہاجرہ مسرور نے اس کہانی میں اس معاشرتی و سماجی منافقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہمارے ہاں عورت خواہ سات برس کی ہو یا ساٹھ برس کی اسے عورت ہی سمجھا جاتا ہے۔ معاشرتی حدود و قیود ہر عمر کی عورت کے لیے لازم ہیں لیکن مرد اساس معاشرے میں مرد ہمیشہ سے آزاد بااختیار اور باعزت رہتا ہے۔ اس طرح تل اوٹ پہاڑ، راکھ، چراغ کی لو، کوٹھی، کوٹھڑی، کمینی ایسی کہانیاں ہیں جن میں ہاجرہ مسرور حقوقِ نسواں کی جنگ لڑتی دکھائی دیتی ہیں۔ "چوری چھپے" افسانوی مجموعہ اس لیے بھی انفرادیت رکھتا ہے کہ یہاں ہاجرہ مسرور نسوانی فطرت کو انسانی رشتوں کی نزاکت کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔ پطرس بخاری لکھتے ہیں:۔

> " یہاں ہاجرہ کے کرداروں کا جنسی شعور جسمانی مظاہر سے بہت آگے نکل جاتا ہے اور ہاجرہ کے احساس میں کئی نزاکتیں اور پیچیدگیاں ہیں جن کی وجہ سے ان کے جنسی افسانے اوروں سے زیادہ دقیق اور عمیق معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے جنسی تعلقات میں تنوع اوروں سے زیادہ ہے اور ان تعلقات کی رنگتیں بھی زیادہ لطیف اور نگاہِ فریب ہیں۔"(20)

"چوری چھپے" کی کہانیوں میں ان خواتین کے دکھ دکھائی دیتے ہیں جن کی عصمتیں لوٹی گئی۔ ممتا سے محروم بچیاں ان کہانیوں میں ملتی ہیں۔ "کاروبار" افسانے میں پاکستانی مرد اساس

معاشرے کی حقیقت واضح کی گئی ہے جہاں عورت ایک شے بن چکی ہے۔ اسے گھریلو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے جو اپنے آنسوؤں کی حقیقت بھی اپنے شریکِ حیات کو نہیں بتا سکتی۔

افسانہ ''سجدہ شکر'' میں ہاجرہ مسرور نے نئی اور پرانی نسل کے تعلق کو بیان کیا ہے۔ دو خواتین ''دادی اور پوتی'' دو عہد کی ترجمانی کرتی دکھائی دیتی ہیں لیکن دونوں عورتیں زندگی کے دکھ اٹھاتی ہیں۔ ''کریمن'' معاشرتی ذمہ داری نبھاتے ہوئے ''تمیزن'' کو بوڑھے شخص کے ساتھ بیاہ دیتی ہے۔ دونوں عورتوں کے دکھوں کو ہاجرہ مسرور یوں زبان دیتی ہیں:۔

> ''تمیزن کے رونے کی آواز اب تک اس کے کانوں میں گونج رہی تھی اور تمیزن کے شوہر کا چہرہ نظروں کے سامنے پھیلتا ہی چلا جارہا تھا۔ ٹھوڑی پر گری ہوئی سفید مونچھیں اور اکادُکا جھولتے ہوئے دانتوں کی ہنسی جیسے وہ سراپا نزلے کی تصویر ہو اور کریمن اس طرح ڈھیلی ڈھالی اور ٹوٹی ہوئی سی الاؤ کے کنارے پڑی تھی جیسے وہ نزلہ اسی پر گرا پڑا ہو۔''(۲1)

''بڑے انسان بنے بیٹھے ہو؟'' کہانی میں ہاجرہ مسرور کا نسائی شعور برصغیر کے خطے کے سیاسی اور سماجی واقعات کو بھی پیش کرتا ہے جہاں تقسیم ہند کے دوران یہاں کی خواتین کرب و اذیت سہتی رہیں۔ قحط زدہ لڑکیاں جسم فروشی کو پیشہ بناتی اپنے خاندان والوں کی بھوک کا علاج ڈھونڈتی ہیں۔ ہاجرہ مسرور ہزاروں عصمتوں اور لاکھوں عورتوں کے جسموں کی موت کا ذمہ دار انسان (مرد) کو ٹھہراتی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں:۔

> ''ناک بھوؤں نہ چڑھاؤ تم!۔۔۔۔ ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ کیا گوری حکومت زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑوں کی تھی؟ کیا غیر ملکی حملہ آور ڈالیوں پر چہکنے والے پرندے تھے اور تمہارے ملک کے ذخیرہ اندوز کیا کھونٹے پر باندھنے والی بھینسیں تھیں اور ان دنوں نوجوان عورتوں کی عصمتیں خریدنے والے کیا ریت کے ذرے تھے؟ ''(22)

وقت کے ساتھ ساتھ ہاجرہ مسرور کے نسائی اظہار کی جہات میں تنوع آتا رہا۔ شعور اور پختگی، سنجیدگی، ٹھہراؤ، توازن کہانیوں میں ملتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد افسانوی مجموعہ ''تیسری منزل'' شائع ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب ''تقسیم'' رشتوں کو بھی ''تقسیم'' کر رہی تھی۔ ہاجرہ مسرور نے تقسیم کے بعد کی حشر سامانیوں اور متوسط طبقے کی زندگیوں کی دشواریوں اور ان کی نفسیاتی کیفیات

کو معنویت اور گہرائی کے ساتھ پیش کیا۔ نسائی شعور کے عکاس اور نمائندہ افسانے ان کی کتاب ”تیسری منزل“ میں موجود ہیں۔ ممتاز شیریں کا کہنا ہے:۔

” ادب میں جو سیاسی اکھاڑہ بازی کی کیفیت پیدا ہو گئی تھیں، وہ ترقی پسند تحریک کے ساتھ ختم ہو گئی۔ ادیب ادب کے اصلی اور بنیادی تقاضوں کی طرف سنجیدگی سے توجہ دینے لگے۔ بنیادی ادبی تقاضوں کی طرف توجہ کے ساتھ ہاجرہ مسرور کے فن میں اور بھی نکھار پیدا ہوتا گیا۔۔۔ چنانچہ اب تیسرے دور میں انہوں نے اپنا بہترین مجموعہ ”تیسری منزل“ پیش کیا۔ یہاں احساس ہوتا ہے کہ ہاجرہ مسرور اس میں اپنے آپ سے بازی لے گئی ہیں۔“(۲3)

کہانی ”تیسری منزل“ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی میں متوسط طبقے کی زندگیوں کے مصائب کی عکاسی کرتی ہے۔ یہاں ”ڈور تھی“ جیسی عورتیں ملتی ہیں جو ”حنیف“ جیسے مردوں سے شادی کر کے زندگی گزارتی ہیں جو ایک کامیاب بیوی کی طرح حنیف کی تمام ذمہ داریوں کو سلیقے سے نبھاتی ہے۔ اردو ادب میں پہلی مرتبہ گوڈن کرسچن لڑکی کا اتنا مکمل کردار پیش کیا گیا ہے۔ کراچی کی زندگی فلیٹوں میں خوبصورت اور اپنائیت کے احساس میں ”تیسری منزل“ میں نظر آتی ہے۔ بے رحم صداقت، معاشرتی معروضیت کو ایک عورت کے قلم سے اس کہانی میں دکھایا گیا ہے۔ ”مول تول“ افسانے میں منشی فاضل کا کورس کرنے والے مہاجر لڑکی کے ذریعے نوزائیدہ مملکت کے اندر مہاجر خاندانوں کے احساسات اور روّیوں کو پیش کیا ہے۔ ”گلو میاں“ کا کردار اس عہد کے مردوں کی سوچ اور فکر کی عکاسی کرتا ہے جو نام نہاد خاندانی شرافت کی لاج نبھاتے نبھاتے اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہے ہیں۔ خواتین کا لکھنا پڑھنا، ملازمت کرنا معیوب سمجھتے ہیں کہ عورت کا کمانا ان کی خاندانی عزت پر داغ لگاتا ہے۔ رویوں میں منافقانہ انداز اس قدر ہے کہ ”گلو میاں“ خود بمبئی کی دولت مند خاتون کی بیٹی سے شادی کرتے ہیں۔ ہاجرہ مسرور ”گلو میاں“ کے ذریعے نام نہاد خاندانی شرافت رکھنے والے مردوں کی سوچ کو یوں پیش کرتی ہیں:۔

” کیوں جب تک میں زندہ ہوں، بجیا کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ابا نے انہیں اس خیال سے تھوڑی پڑھایا تھا کہ نوکریاں کریں۔ ”گلو میاں کا چہرہ مارے جوش کے گہرا سانولا ہو گیا اور ہونٹ کانپنے لگے۔“(۲4)

کہانی کے آخر میں یہ بے رحم حقیقت بھی دکھائی ہے کہ ''گلومیاں'' جسے مرد اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو بے شک ملازمت کی اجازت نہ دیں لیکن معصوم عورت کو بے جوڑ رشتوں میں باندھ کر ساری عمر دکھ کے جہنم میں ڈال دیتے ہیں۔ ''تیسری منزل'' کی کہانیوں میں کنیز، بھالو، صندوقچہ، فضل دین، بھاگ بھری، میں ایسی ہی خواتین نظر آتی ہیں جو علم وشعور آگہی ذات سے آشنا ہیں اور زندگی کے دکھ اٹھاتی نظر آتی ہیں۔

''اندھیرے اجالے'' افسانوی مجموعے میں ہاجرہ مسرور نے ملک میں پھیلی بدامنی، انتشار اور عدم استحکام کی صورتحال کو نسائی حسیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ''راجہ ہل'' معروف افسانہ پاکستان کے سیاسی وسماجی پس منظر میں لکھا ہوا ہے جس میں افسر شاہی نظام کی سازشیں بے نقاب کی گئی ہیں۔ نوآبادیاتی نظام کی جڑیں ابھی بھی اس سرزمین پاک میں موجود ہیں جہاں انقلاب کے نام پر غریب کسانوں کا استحصال کیا جاتا ہے۔ غیر ملکی افراد اپنے خوابوں کی تعبیر یہاں پوری کرتے ہیں اور غریب عوام اس تمام سازشوں سے بے خبر ہیں۔

ڈاکٹر انوار احمد اس موضوع پر ہاجرہ مسرور کے لکھے گئے افسانے کے بارے میں کہتے ہیں:۔

> '' شہری رہن سہن میں پروان چڑھنے والی کسی اہل زبان خاتون کی جانب سے پنجاب کی دیہی معاشرت کو اپنی تخلیقی روح میں جذب کرنا بہت بڑی فنی ریاضت بھی ہے اور کومٹ منٹ بھی۔''(۲5)

ہاجرہ مسرور نے جنرل ضیاء الحق کے دورِ آمریت کی وحشت اور بربریت کو افسانہ ''ایک اور نعرہ'' میں گہری معنویت کے ساتھ پیش کیا ہے جس میں ان کے نسائی تصورات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ ضیا الحق کے دورِ آمریت میں خواتین کے ساتھ سماجی ناانصافیاں کی گئیں۔ افسانے میں ٹکٹکی پر بندھے نوجوان کو کوڑوں کی سزا دی جا رہی ہے۔ اس عذاب ناک منظر کو ہاجرہ مسرور نے نسائی حسیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس افسانے کے بارے میں معروف افسانہ نگار ودانشور زاہدہ حنا لکھتی ہیں:۔

> '' کہ آج ہم جس شقی القلبی اور وحشت کے دور سے گزر رہے ہیں اس کے ابتدائی دنوں کو ہاجرہ مسرور نے بہت ہنر مندی سے لکھا۔''(26)

آخری دور کے افسانوں میں نسائی اظہار کی بہترین مثالیں ہاجرہ مسرور کے افسانے ”عاقبت“، ”چاند کے دوسری طرف“ اور ”ایک کہانی بڑی پرانی میں“ دیکھی جاسکتی ہے۔ ”عاقبت“ پاکستان میں مرد اساس معاشرے کی کہانی ہے جس میں زندگی کے آخری لمحات میں بھی مرد کا احساس برتری قائم رہتا ہے۔ مثالی رفاقت کے باوجود مرد بیوی کو کمتر خیال کرتا ہے۔ جفاکشی، محنت، جدوجہد اور اپنے شریکِ حیات کی بے لوث خدمت کرنے والی عورت زندگی کے آخری لمحات میں مرد ذات کی طرف سے یہ زخم کھاتی ہے۔ جو عورت مرد کی محبت میں اپناگھر بار چھوڑ دے ماں باپ بہن بھائیوں کو چھوڑ کر اپنی تمام عمر مرد کے لیے گزار دے لیکن مرد پھر بھی اس کی وفاداریوں کا اعتراف نہیں کرتا اور مرتے وقت یہ وصیت بھی کرتا ہے کہ طوائف کی کمائی سے خریدا ہوا کفن اسے مت پہنانا کیوں کہ اس کی ”عاقبت“ خراب ہو جائے گی۔

ہاجرہ مسرور نے پدرسری نظام میں موجود اس منافقت کو ”دادا“ کے کردار کے ذریعے پیش کیاہے:۔

> ” میرا کفن جمیل سے منگوانا۔ اپنے پیسے سے خریدا مجھے نہ دینا میری عاقبت خراب نہ ہو۔ مہ پارہ جان۔۔۔“(۲۷)

اردو فکشن میں نسائی ادب کی اس آواز نے زندگی کے ہر رنگ میں سانس لیتی عورت کو اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا اور مرد اساس معاشرے میں پھیلی منافقت کو بے نقاب کیا۔ دوہرے معیارات کے حامل معاشرے میں عورت کرب واذیت کے مراحل سے گزرتی ہے۔ آج تک کسی نے ”چاند کی دوسری طرف“ جیسے موضوع پر نہ لکھا۔ ہاجرہ مسرور نے اس افسانے میں معاشرے میں رہنے والی خوبصورت عورتوں کی روح کی اذیت کو بیان کیا۔ یہاں ایک خوبصورت عورت تمام عمر بدشکل مرد کے ساتھ نباہ کرتی ہے لیکن جب اس کے ہاں ”لالی“ جیسی خوبصورت بیٹی پیدا ہوتی ہے تو وہ اپنے بدشکل شوہر سے صرف اس خواہش کا اظہار کرتی ہے کہ ”لالی“ کی شادی کسی خوبصورت شخص سے کرنا۔ تمام عمر خاموشی کے ساتھ بے جوڑ دولہا کے ساتھ زندگی گزارنے والی عورت جب دیکھتی ہے کہ اس کی بیٹی ”لالی“ کی شادی بھی بدشکل شخص کے ساتھ کی جارہی ہے تو وہ سراپا احتجاج بن جاتی ہے، بپھر کر کہتی ہے:۔

> ”تاج دینے۔ تجھے کیا پتہ تیرے جیسے بدشکلوں کے ساتھ چاند جیسی لڑکیاں کس آگ میں جلتی ہیں۔ میری کلی جیسی ”لالی“ کو اپنی آنکھوں کے سامنے

بھاڑ میں جانے دے رہا ہے۔ تو نے مجھے زبان دی تھی اب دوسروں کی بات مان گیا اگر تو مرد ہے تو اسے نہ جانے دے۔"(۲8)

کہانی میں تمام عمر بے بسی اور کم مائیگی کی آگ میں جلنے والی ماں بیٹی کے حق میں آواز بلند کرتی ہے۔ آخری دور کی کہانیوں میں ہاجرہ مسرور کا نسائی شعور پختگی اور گہری معنویت کے ساتھ معاشرے میں خواتین کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کو موضوع بناتا رہا۔ نسائی اظہار کی عکاس کہانی "ایک کہانی بڑی پرانی" ہے جس میں معاشرے میں موجود ناسور کو موضوع بنایا گیا ہے۔ جہیز کم لانے والی خواتین کو تمام عمر سسرال اور شوہر کے طعنے سننے پڑتے ہیں۔ عورت چاہے قلیل آمدنی میں اپنی خواہشات کی قربانی دے کر گھر کی چیزیں بنائے لیکن وہ "طلاق" کی صورت میں تمام معاملات سے بے دخل کر دی جاتی ہے۔ آج بھی پاکستان میں بہت سی لڑکیاں جہیز کم لانے کی سزا میں رات کے اندھیرے میں گھر سے نکال دی جاتی ہیں اور پھر لڑکوں پر تو عورت کا حق یہ معاشرہ دیتا ہی نہیں اگر لڑکی ہو تو ماں کے ساتھ وہ بھی تاریک رات میں گھر سے نکالدی جاتی ہے۔ افسانے کی مرکزی کردار عورت کی نفسی کیفیات کو ہاجرہ مسرور یوں پیش کرتی ہیں:۔

"چوڑیاں اتار کر میز پر ڈال دیں اور پھر کانپتے ہاتھوں سے کانوں میں پڑی چھوٹی چھوٹی بالیاں بھی اتار کر چوڑیوں کے بیچ میں رکھ دیں مگر یہ بالیاں تو ان کے جہیز کی تھیں پھر وہ کانپتی ہوئی کھڑی ہو گئیں اور سر سے تلّے کے کام والی چادر بھی اتار کر میز پر ڈال دی۔۔۔ اور خاموشی سے دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔"(۲۹)

ہاجرہ مسرور کے افسانوں میں "عورت" کی مختلف کیفیات اور احساسات کی مصوری کی گئی ہے۔ یہاں نو عمر لڑکیوں کے نفسی و جنسی جذبات کی عکاسی بھی کی گئی ہے۔ ملازمت پیشہ خواتین کو درپیش مسائل بھی دکھائے گئے ہیں۔ صنفی امتیاز کی وجہ سے ایک باشعور اور آگہی ذات سے آشنا عورت کس طرح اپنے حقوق کی جنگ کرتی ہے۔ ہاجرہ مسرور نے اس عورت کے کردار کو اپنی کہانیوں میں پیش کیا ہے۔

" ان کی تحریریں ایک ایسی انفرادیت، گہرائی، معنویت اور دلچسپی کی حامل ہیں کہ وہ اس کہکشاں میں بھی سب سے الگ اور منور دکھائی دیتی ہیں۔"(30)

عورت کو ہر عمر اور ہر رنگ پیش پیش کرنے والی اردو ادب کی یہ نامور تخلیق کار تمام عمر حقوقِ نسواں کی علمبر دار رہیں۔ تقسیم ہند کے بعد زندگی کے نئے ذائقوں کو تمام تر صعوبتوں اور ملال کے ساتھ اپنی کہانیوں میں پیش کرنے والی اس خاتون نے سماج کا اصل چہرہ ہمارے سامنے پیش کیا۔ فردوس حیدر "ہاجرہ مسرور" کی شخصیت کے حوالے سے کہتی ہیں:۔

" ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ جیساوہ اپنے لیے سوچتی تھیں ویسے ہی دوسروں کے لیے سوچتی تھیں۔ دوسروں کے لیے پریشان رہتیں اور مدد کے لیے تیار رہتیں خاص کر خواتین کے لیے وہ ہمیشہ درد کا درمان تھیں۔"(۳1)

اردو کی اس نامور تخلیق کار نے محض عورت کی مظلومیت کے مناظر ہی پینٹ نہیں کیے بلکہ ان کے محرکات اور عوامل کو بھی افسانوی انداز میں بیان کیا ہے۔ اردو میں خواتین کے حقوق کی علمبر داری کے ساتھ ساتھ پاکستان کے سماجی اور معاشرتی حکمت عملی تک ان کی نگاہیں جاتی ہیں۔ ہاجرہ مسرور کا نسائی شعور سیاسی و سماجی حوالے سے اہمیت کا حامل ہے۔ ان جیسے ذہین ادیب قاری کو چھپے ہوئے سچ اور معاشرے میں پھیلی ہوئی منافقت اور ریاکاری سے باخبر رکھتے ہیں۔ ہاجرہ مسرور پاکستان میں نسائی ادب کا اہم اور معتبر حوالہ ہیں جنھوں نے اردو افسانے کو ایسی کہانیاں عطا کیں جو خواتین کی نفسی و جنسی معنویت سے بھرپور ہیں جن کے معانی کی پرتیں آنے والے وقت میں مزید نمایاں ہو سکیں گی۔ ہاجرہ مسرور اردو فکشن کا ایسا سازینہ ہے جس میں بہت سی آوازیں متنوع جہات کی حامل ہیں لیکن ان میں عصری آشوب کی گونج واضح اور تیز ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شان الحق حقی، زاہدہ خاتون شیروانیہ، مشمولہ فیمینزم اور ہم، (مرتبہ) ڈاکٹر فاطمہ حسن، کراچی: وعدہ کتاب گھر، ۲۰۰۵ء، ص ۶۲

۲۔ حامد بیگ، مرزا، اردو افسانے کی روایت، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۱ء، ص ۵۳

۳۔ زاہدہ حنا، عورت زندگی کا زنداں لاہور: تخلیق کار پبلشرز، ۱۹۹۲ء، ص ۲۰۱

4. Geraldine Forbes, ***Women in India***, (United Kingdom: Cambridge University Press, 2009), P41

۵۔ زاہدہ حنا، برصغیر کی تین اولین ادیب عورتیں اور تعلیم نسواں، مشمولہ عورت زندگی کا زنداں، ص ۲۰۳

6. Chandra A Hate Changing Status of women in Post Independent India, (New Dehli: Allied Publisher, 1969), P132

۷۔ حمیرا اشفاق، ڈاکٹر (مرتب)، نثر رشید جہاں، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشن، ۲۰۱۲ء، ص ۹

۸۔ شاہد نقوی، ڈاکٹر رشید جہاں، مشمولہ: فیمینزم اور ہم، ص ۱۱۳

۹۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ فیصل آباد: مثال پبلشر، ۲۰۱۰ء، ص ۸۹

۱۰۔ اطہر پرویز، ڈاکٹر (مرتب)، راجندر سنگھ بیدی اور ان کے افسانے، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۲ء، ص ۸

۱۱۔ تنویر انجم، عصمت چغتائی کا نسائی شعور، مشمولہ؛ فیمیزم اور ہم، ص ۱۱۹

۱۲۔ اشرف لون، ترقی پسند اردو افسانے میں عورت کی عکاسی دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۳ء، ص ۱۴۸

۱۳۔ فاطمہ حسن، ڈاکٹر، گزشتہ صدی سے عہد حاضر تک اردو ادب میں نسائی شعور، مشمولہ اردو ادب اور تانیثیت، مرتبہ؛ ڈاکٹر قاضی عابد، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۶ء، ص ۵۵

۱۴۔ نیلم فرزانہ، ڈاکٹر، اردو ادب کی اہم خواتین ناول نگار، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۲ء، ص ۱۵۲

۱۵۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو افسانے کی روایتاور مسائل، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۱ء، ص ۸۸

۱۶۔ ایضاً، ص ۴۷۴

۱۷۔ علی سردار جعفری، ترقی پسند ادبی تحریک کی نصف صدی، دہلی: دہلی یونیورسٹی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۰۳

۱۸۔ کشور ناہید، ہاجرہ آپا الوداع، مشمولہ سب افسانے میرے، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص ۱۰

۱۹۔ ایضاً، ص ۴۰۴

۲۰۔ پطرس بخاری، دیباچہ، مشمولہ سب افسانے میرے، ص ۳۴۸

۲۱۔ ایضاً، ص ۴۰۴

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ممتاز شیریں، ہاجرہ مسرور کے افسانے، مشمولہ سب افسانے میرے، ص ۵۶۷

۲۴۔ سب افسانے میرے، ص ۱۳۲

۲۵۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ص ۱۲۷

۲۶۔ زاہدہ حنا، آخری سٹیشن آگیا، مشمولہ سب افسانے میرے، ص ۲۰

۲۷۔ ہاجرہ مسرور، عاقبت، مشمولہ ”سب افسانے میرے“، ص ۴۸

۲۸۔ ہاجرہ مسرور، چاند کی دوسری طرف، مشمولہ ”سب افسانے میرے“، ص ۶۷

۲۹۔ ہاجرہ مسرور، ایک کہانی بڑی پرانی، مشمولہ ”سب افسانے میرے“، ص ۹۸

۳۰۔ امجد اسلام امجد، ہاجرہ آپا، مشمولہ ”سب افسانے میرے“، ص ۱۶

۳۱۔ فردوس حیدر، ہائے اللہ سے اللہ تک، میرا سفر ہاجرہ مسرور کے ساتھ، مشمولہ ”سب افسانے میرے“، ص ۲۴